ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-15

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

ڈاکٹر سونیا بشیر

اسسٹنٹ پروفیسر یونیورسٹی کالج برائے خواتین، عبدالولی خان یونیورسٹی مردان

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں کی روشنی میں نوآبادیاتی عہد کے عوامی مسائل

Dr Sonia Bashir *

Assistant Professor of Urdu, University College for women, AWKUM Mardan.

***Corresponding Author:**

Public Issues of the Colonial era in the Light of Ahmad Nadeem Qasmi's Short Stories

The final phase of British colonial rule had a profound impact on Urdu literature, especially the short story genre, influencing it socially, politically, and economically. In start, these effects were less noticeable, but as the colonial era neared its end, Indian writers had become conscious enough to recognize the negative consequences of the colonial system around them. Ahmed Nadeem Qasmi observed this colonial period from a progressive perspective, and his stories reflect the suffering of the poor and middle classes—enslavement, loss of dignity, poverty, war, sexual violence, and the destructive effects of capitalism. This research paper highlights the issues faced by the people of India during the final stage of British colonial rule, as portrayed in the short stories of Ahmed Nadeem Qasmi.

Key Words: *Colonial System, Last Era, People Problems, Enslavement, Loss of Dignity, Poverty, War, Sexual Violence, Capitalist System.*

زمین پر انسان نے جتنی بھی زندگی گزاری ہے اسے اگر دو لفظوں میں سمیٹنے کی کوشش کی جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ آزادی اور غلامی سے عبارت ہے۔ غلامی کی تاریخ آزادی کے مقابلے میں طویل بھی ہے اور المیوں سے بھرپور بھی۔ اس کے برعکس آزادی ایک ایسی حسینہ ہے جو کبھی کبھار ہی بے پناہ قربانیوں کے بعد معمولی سا جھلک دکھا کر غائب ہو جاتی ہے۔ انسان نے انسان سے اس کی آزادی کبھی مذہب کے نام پر، کبھی تہذیب کے نام پر، کبھی مملکت اور وطن کے نام پر تو کبھی کسی اور نام سے چھیننے کی کوشش کی۔ اور اسے مختلف طریقوں سے غلام بنانے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-15

ماخذ تحقیقی مجلہ

کی کوشش کی۔ آزادی انسان کے بنیادی حقوق میں شامل ہے لیکن انسان کی بدقسمتی یہ رہی ہے کہ وہ اپنے اس بنیادی حق سے محروم رہا ہے۔

اقوام کے اوپر اقوام کی حکمرانی کی تاریخ کافی قدیم ہے۔ بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب سے یہ دنیا وجود میں آئی ہے اور انسان نے زمین پر قدم جمائے تو وہ ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے، ایک دوسرے کے حقوق کو ہتھیانے اور زندگی چھین لینے کی کوشش میں ہے۔ اس کی یہ کوشش رہی ہے کہ دنیا کے تمام مادی اور روحانی ثمرات محض اس کے حصے میں آئیں۔ اسے دوسروں کے مقابلے میں عزت اور برتری ملے۔ وہ آزادی کے ثمرات سے بہرہ مند ہو۔ اس کی اپنی زندگی آسان اور خوشحال گزرے اور اس کے لیے چاہے اسے تمام انسانیت کی زندگی بھی برباد کرنی پڑے تو اس معاملے میں وہ اس کی کچھ زیادہ پرواہ نہیں کرتا۔ اس کے لیے اس نے جنگ جیسی مہلک ترین حقیقت کو مختلف نام دے کر اور اس کے محرکات کو اخلاقی بنیادیں فراہم کر کے اسے دوا میں بدلنے کی بھی کوشش کی۔ یوں جنگ اور غلامی کو مقدس بنانے کے لیے مذہبی حوالے بھی ڈھونڈے گئے اور اس کے لیے عقلی جواز ڈھونڈنے کی بھی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسانیت آج تک سکون کا سانس نہیں لے سکی۔ قدیم ادوار کی استعماری جنگوں اور استعماری عسکری غلبے کے دور سے جب ہم جدید دور میں آتے ہیں، تو نوآبادیاتی دور کا آغاز ہوتا ہے۔ استعماری قوتیں جنگ جیت جاتی تھیں۔ حکومتیں قائم کر لیتی تھیں یا زر و جواہرات لوٹ کر واپس چلی جاتی تھیں، یوں وقتی طور پر نقصان تو ہو جاتا تھا لیکن اس کے دیرپا اثرات بہت کم ہوتے تھے۔ یا پھر استعماری قوتیں غلام ملکوں میں آباد ہو جاتی تھیں اور ایسی صورت میں مملکت کا سرمایہ مملکت ہی میں رہ جاتا تھا۔ اگرچہ غلام آبادی لگان کے بوجھ تلے دبی رہتی تھی، لیکن اس کا ایک فائدہ یہ ضرور تھا کہ محنت کی کمائی غلام ملک میں کسی نہ کسی صورت میں رہ جاتی تھی۔

اقوام عالم کی بالادستی جب نوآبادیاتی دور میں داخل ہوئی تو اس نے مہیب صورت اختیار کر لی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس سے قبل غلام قوم کے ساتھ اگر تھوڑی بہت ہمدردیاں ہوتی تھیں تو نوآبادیاتی عہد میں وہ بھی عملاً ختم ہو گئیں۔ نوآبادیاتی عہد میں سیاسی یا عسکری غلبہ یا تسلط کے پیچھے غاصب قوم کا پورا دماغ کر رہا تھا۔ جن کا مقصد بڑے ہی منظم انداز میں کالونیوں کے تمام وسائل اور ملک کی تمام افرادی قوت کو اپنے قبضے میں لے کر اسے اپنے ملک اور قوم کے فائدے کے لیے استعمال کرنا تھا۔ اس مقصد کے لیے غلام قوم سے اس کی زبان، ثقافت اور شناخت چھین لینے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ غلام قوم کے وسائل پر ان کا تسلط بڑھ جاتا تھا۔ ان

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-15

کی زبان کو حقارت سے دیکھنا اور ان کے ثقافتی رویوں کو جہالت کے متبادل قرار دے کر ان سے ان کی ثقافتی اور تاریخی شناخت چھین لینے کا عمل نو آبادیاتی قوتوں کے اہم اہداف ہوتے ہیں۔ اگر ہندوستان کی تاریخ پیش نظر رکھی جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں نے فلاح کے جتنے بھی کام کیے ہیں وہ انہوں نے اپنے فائدے کے لیے زیادہ اور مقامی آبادی کے فائدے کے لیے کم کیے ہیں۔ اس کا فائدہ رعایا کو ضرور پہنچا ہے لیکن اس کا سب سے زیادہ فائدہ انگریزوں نے اٹھایا ہے۔ مثلاً ہندوستان طویل زمانوں سے غیر محفوظ رہا ہے۔ مغلوں کے دور میں اسے کچھ استحکام ملا لیکن مغلوں کے زوال کے نتیجے میں یہ ملک دوبارہ بیرونی حملہ آوروں کے رحم و کرم پر رہ گیا۔ انگریزوں نے ہندوستان کو محفوظ بنانے کے لیے اسے ایک منظم فوج دی۔ اس فوج کا مقصد ہندوستان کو محفوظ بنانا تھا لیکن ہندوستان کو محفوظ بنانے کے بہانے اپنی حکمرانی کو دوام بھی بخشنا تھا۔ کارل مارکس نے اس سلسلے میں کافی اہم نکتہ اٹھایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس وقت بھی ہندوستان کو اسی کے خرچے پر رکھی ہوئی ہندوستانی فوج نے انگریزوں کا حلقہ بگوش بنا رکھا ہے۔[1] انگریزوں کے تمام تر اقدامات (جس میں انفراسٹکچر کا قیام، ریلوے، مواصلات، تعلیم وغیرہ شامل ہیں) کا مقصد ہندوستان کو غلام رکھنا اور زیادہ موثر انداز سے ہندوستان کو لوٹنا تھا۔ انہوں نے اس حوالے سے کافی عقل مندی کا مظاہرہ کیا مثلاً جیسن ہائیکل ۱۹ دسمبر ۲۰۱۸ کو الجزیرہ سے شائع شدہ آرٹیکل میں لکھتے ہیں:

> The East India Company began collecting taxes in India, and then cleverly used a portion of those revenues (about a third) to fund the purchase of Indian goods for British use. In other words, instead of paying for Indian goods out of their own pocket, British traders acquired them for free, "buying" from peasants and weavers using money that had just been taken from them.[2]

ہندوستانیوں سے ٹیکس کی وصولی شروع کرنا اور اس کے تیسرے حصے سے برطانوی صنعتوں کے لیے خام مال خریدنے کا عمل دراصل زیادہ ہوشیاری اور چالاکی کے ذریعے ہندوستان کو لوٹنا تھا۔ یوں انگلستان کے کارخانے چلانے کے لیے ہندوستان سے خام مال ہندوستانیوں ہی کے پیسوں سے خرید کر لے جایا جاتا تھا۔ لوٹنے کے اس سلسلے کا نتیجہ ہندوستان میں غربت اور نو آبادیاتی قوتوں کی ثروت مندی کی صورت میں سامنے آیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-15

ہندوستانی وسائل اور تجارت پر اجارہ داری کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک محتاط اندازے کے مطابق ۱۷۶۵ تا ۱۹۳۸ برطانوی ہندوستان سے ۴۵ٹریلین ڈالر کی مالیت لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ (۳)

یہ حقیقت ہے کہ استعماری قوتیں تاریخ میں جب کبھی آئیں تو یا تو ان کا قیام وقتی ہوتا تھا یا پھر وہ محکوم ملک میں مکمل طور پر رچ بس جاتی تھیں۔ شادیوں کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا۔ مذہب بھی بعض صورتوں میں تبدیل ہو جاتا۔ ثقافتی اعتبار سے مقامی اثرات قبول کر لیے جاتے، اس میں کوئی شک نہیں کہ عہد قدیم کی استعماری قوتیں بھی لگان یا ٹیکس جزیہ کی صورت میں رعایا سے بہت کچھ وصول کرتی چلی آئی ہیں۔ لیکن اس فرق کے ساتھ کہ نو آبادیاتی قوتوں کی طرح وہ منظم انداز سے ملک کا سرمایہ اور وسائل کو لوٹ کر نہیں لے جاتی۔

قاسمی صاحب کے افسانوں میں ہندوستان میں آخری نو آبادیاتی عہد کے بیشتر مسائل ملتے ہیں۔ مثلاً افسانہ "میں انسان ہوں" میں ایک کردار کی زبانی غلامی کے خلاف اور آزادی کے حق میں فکر انگیز نعرہ بلند کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں اس بنیادی حق کے لیے خواہش اور عملی کوشش اور جدوجہد کے حوالے ملتے ہیں۔ کہانی کا مرکزی کردار جو تاریخ کا ایک باشعور انسان ہے چلا اٹھتا ہے:

> ''ہم آزاد ہیں۔ ارے ہم آج سے آزاد ہیں۔ آؤ مل کر ایک نعرہ لگائیں جو مشرق و مغرب کے انسان فروشوں کے محلوں میں گھس کر اژدھے کی دودھاری زبان بن کر ناچے اور پھنکارے۔ کچھ تو ہو خدا کے لیے کچھ تو ہو''(۴)

قاسمی صاحب کے افسانوں میں انسانی عظمت کے گیت اس وجہ سے بھی گائے گئے ہیں کہ آخری نو آبادیاتی عہد میں انسانی تذلیل کا سلسلہ نہ صرف ہندوستان کی سطح پر بلکہ پوری دنیا میں جاری تھا۔ پوری دنیا میں برطانوی نو آبادیاتی قوت کے ہاتھوں انسان جسمانی اور روحانی دونوں اعتبار سے زخم زخم تھا۔ ذلت کا احساس انتہاؤں کو چھو رہا تھا۔ برطانوی نو آبادیات میں ظلم، استحصال اور عسکری جبر کے نتیجے میں مظلوم انسانوں کی کھوپڑیاں بارود سے اڑائی جا رہی تھیں۔ قاسمی صاحب کو انسان کی تذلیل اور کم مائیگی کا شدت سے احساس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے کہ گرد و پیش میں انسان کی قیمت کوڑی سے بھی کم ہو کر رہ گئی ہے اور اسے جانوروں کے مقابلے میں بھی زیادہ ذلت اور تشدد کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور موت ہی اس کا واحد دوست اور غمگسار بنتی جا رہی ہے، تو زندگی، انسانی وقار اور سانسوں کی حرمت کے لیے اس کا قلم بلبلا اٹھتا ہے۔ ان کے اس کرب کا اندازہ افسانہ "موت" کے اس مکالمے سے ہوتا ہے جو موت اور راوی / فنکار / یا بالفاظ دیگر زندگی کے درمیان ہوا ہے۔ مکالمہ ملاحظہ کیجیے۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-15

ماخذ تحقیقی مجلہ

"اور میں انسان ہوں۔ میں نے تنک کر کہا۔ میں مسجود ملائک ہوں۔ میں خلیفۃ اللہ ہوں۔
میں اشرف المخلوقات ہوں۔ میں صناع مطلق کی اعلیٰ ترین صنعت ہوں۔"
"اور تم میرے محتاج ہو، اور تمہاری احتیاج ہی مجھے آج یہاں کھینچ لائی ہے۔"(۵)

یہ سن کر استحصال کرنے والے انسانوں کے ہاتھوں مظلوم انسانیت موت کے سامنے شرمندہ ہو جاتی ہے۔

برطانوی نو آبادیاتی نظام نے دنیا کو جو تباہ کن تحفے دیے ہیں۔ ان میں سے ایک جنگ بھی ہے۔ جنگ انسانی معاشروں میں کافی قدیم ادوار سے موجود ہے۔ لیکن برطانوی نو آبادیاتی نظام کے نتیجے میں دنیا شکار اور شکاریوں میں تقسیم ہو گئی۔ اس نظام کے نتیجے میں طاقتور ممالک نے کمزور اقوام پر اپنا اثر و رسوخ بڑھانے اور یوں اپنے مادی اور سیاسی مفادات کو محفوظ بنانے کے لیے ہر ممکن سعی کی۔ اقوام عالم مفادات کی بنیاد پر جتھوں میں تقسیم ہو گئے اور یوں دنیا نصف صدی میں دو عالمی جنگوں کی لپیٹ میں چلی گئی۔

عالمی نو آبادیاتی قوتیں جنگ کو گلی گلی اور قریہ قریہ لے آتی ہیں۔ اس سلسلے میں ایسی فضا تشکیل دی جاتی ہے جس میں جنگ کی دیوی کو پوری آزادی کے ساتھ ناچنے کا موقع ملتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نوجوان جوق در جوق زندگی سے موت کی وادی کی طرف بے تابانہ لپکتے ہیں۔ افسانہ "ارتقا" میں گاؤں چند مہینوں میں نوجوانوں سے مکمل طور پر خالی ہو جاتا ہے۔(۶) جنگ کے لیے بطورِ جواز بڑے دلفریب نعرے سننے کو ملتے ہیں۔ آزادی، امن، دین، خدا، تہذیب اور اس سے ملتے جلتے نعرے۔ جس کے نتیجے میں جبری بھرتیوں کا عمل بھی شروع ہو جاتا ہے۔ تیسری دنیا کے ممالک میں انسان کی زندگی کا سامان کم اور موت کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ افسانہ "ارتقا" میں بوڑھے نے دو بیٹے پہلے ہی جنگ میں کھوئے تھے۔ تیسرا بیٹا دوسری جنگ عظیم کے دوران میدان جنگ میں بچ بھی جاتا ہے تو ملکی شورش کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور ریل کی اکڑی ہوئی پٹڑی کی وجہ سے ریل گاڑی الٹتی ہے تو اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہ بیٹا جو چاند جیسا خوبصورت تھا۔ جسے چانٹا نہ مارنے کی قسم کھائی گئی تھی۔ جس کی شادی کے انتظامات شروع ہو چکے تھے اور جو اپنے بوڑھے والدین کا آخری آسرا اور سہارا تھا۔ ایسے بیٹے کی موت بوڑھے کی کمر توڑ کر رکھ دیتی ہے اور اس کی زندگی کو مکمل طور پر بے سہارا اور افسردہ بنا دیتی ہے۔ قاسمی صاحب کے افسانوں میں ایسے مقامات پر انسان دوستی انسانی دل و دماغ کو اپیل کرتی ہے۔ اگرچہ اس سلسلے میں گاندھی اور جناح کا ذکر بھی آیا ہے۔ جناح کے

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-15

اعلان کے نتیجے میں وہ میدان جنگ گیا لیکن خوش قسمتی سے زندہ لوٹ آیا۔ ایک دام سے بچا تو اگلے ہی دام میں پھنس گیا کہ گاندھی کی پیدا کرنے والی سیاسی شورش کا شکار ہو گیا۔

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں جنگ کے ہلاکت انگیز پہلوؤں کو کافی شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کا افسانہ "ہیروشیما سے پہلے ہیروشیما کے بعد" بھی اہم ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ان کے دیگر افسانوں مثلاً کپاس کا پھول، بابانور، ہیرا اور چند اور افسانوں میں بھی جنگ کو انسانی نفسیات، عائلی زندگی، اقتصادی پس منظر و پیش منظر کے ساتھ دیکھنے اور پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ افسانہ "بابانور" میں بابانور کا اکلوتا بیٹا فوج میں بھرتی ہو کر جنگ میں شامل ہوا تھا۔ اس کی موت کو دس برس ہو چکے ہیں۔ اور منشی کے بقول بابانور پچھلے دس برس سے مسلسل ڈاک خانے کا چکر لگاتا ہے اور اس امید پر چلا جاتا ہے کہ اس کے بیٹے کی چٹھی آئی ہو گی۔ حالانکہ منشی کے بقول اس نے وہ چٹھی خود اسے پڑھ کر سنائی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ اس کا بیٹا برما میں گولے کا شکار ہو کر مر چکا ہے اور جب سے وہ پاگل سا ہو گیا ہے۔ (۷) بابانور کی معصومانہ باتیں اور اس کا یہ معصومانہ اور المیوں سے بھرپور طرزِ عمل قاری کی تمام تر توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے اور اس حس کو تحریک دیتا ہے جس کو انسان دوستانہ حس سے تعبیر کرنا چاہیے۔ ایک باپ کے دل میں اس کے مرے ہوئے بیٹے کا دکھ۔۔۔ یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ قاسمی صاحب کے بیشتر افسانوں میں ایک کردار ضرور ایسا ہوتا ہے جو اس کی بولی بولتا ہے۔ افسانہ بابانور میں بھی منشی قاسمی صاحب کا ہمزاد دکھائی دیتا ہے۔ کہانی کا آخری جملہ جس میں منشی کہتا ہے کہ مسلسل دس سال آتے جاتے وہ اس نہج تک پہنچ چکا ہے کہ اگر اس کے بعد بابانور اس کے پاس آیا تو مجھے بھی پاگل کر دے گا۔ (۸) اس کہانی میں منشی ایسا حساس انسان ہے جو بابانور کے دکھ کو محسوس کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک سیٹھ کا بھی حوالہ دیا گیا ہے جو دنیا کے معاملات کو حساب بیش و کم کی بنیاد پر تولتا ہے۔ جس کی نظر میں انسانوں کی موت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ البتہ اس کی نظر میں یہ بات ضرور معنی رکھتی ہے کہ اگلی جنگ چھڑنے کی صورت میں کراچی اتنی ترقی کر لے گی کہ ولایت بن جائے گی۔ وہ حسرت کے ساتھ کہتا ہے کہ کتنی بار جنگ چھڑتے چھڑتے رہ گئی اور درمیان میں کوئی شخص یا ملک ٹانگ اڑا دیتا ہے جس کی وجہ سے جنگ ملتوی ہو جاتی ہے اس کے بقول غریبوں کو تو ہر صورت میں مرنا ہی ہے، توپ کے گولے سے نہ مرے تو بھوک ان کا صفایا کر دے گی۔ (۹) انسانی تاریخ کی بنیادیں ہی ظلم اور استحصال سے عبارت ہیں۔ سرمایہ دارانہ قوتوں کا مزاج کچھ اس قسم کا ہوتا ہے کہ جنگ ان کے لیے بے پناہ فوائد لے کر آتا ہے۔ نو آبادیاتی نظام نے جہاں غریبوں کو غلام رکھا تو اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے سرمایہ داروں کو خوشحال رکھنے کی بھی ہر ممکن سعی کی

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-15

۔ جس کی وجہ سے غریب عوام کی مشکلات میں اضافہ ہی دیکھنے کو ملا۔ نو آبادیاتی نظام کی طرف سے سرمایہ دارانہ نظام کی پشت پناہی کا نتیجہ یہ نکلا کہ غریبوں کو ترنوالے کی طرح نگلنے والی جنگ کی مخالفت میں سرمایہ داروں کی طرف سے مخالفت دیکھنے کو نہ ملی۔ اس نظام کے نتیجے میں سرمایہ دارانہ نظام کی ترقی کے عظیم منازل غریبوں کے پسینے اور خون کے ذریعے ہی طے ہوتے ہیں۔ یہ وہ ذہنیت ہے جو قاسمی صاحب کے انسان دوستانہ تصور زیست کے متضاد ہے، جو نو آبادیاتی نظام اور اس سے ملحقہ سوچ کے ساتھ ہم آہنگ ہے اور جس کی مخالفت ان کے بیشتر افسانوں میں کہیں ظاہر تو کہیں بین السطور ہوتی ہے۔ الغرض سرمایہ دارانہ نظام جسے اس وقت کے نو آبادیاتی نظام کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی، اپنے فوائد کے حصول کے لیے غریب عوام کو جنگ اور اسکے نتیجے میں پیدا ہونے والی کساد بازاری اور مہنگائی کی طرف دھکیل رہا تھا۔

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں معاشی حوالوں سے انگریز نو آبادیاتی دور کے وہ انسان بھی ملتے ہیں جو عزت نفس سے بھی محروم ہیں اور جن سے لگان ان کی پیداوار سے زیادہ لیا جاتا ہے۔ ایک انسان دوست افسانہ نگار کی حیثیت سے ان کے افسانوں میں ایسے انسانوں کی کراہیں بآسانی سنی جاسکتی ہیں۔ مثلاً افسانہ "توبہ میری" میں بوڑھا اور بڑھیا لگان ادا نہیں کر سکتے۔ ان کا کہنا ہے بالشت بھر زمین پر کچھ اگتا نہیں تو لگان کہاں سے ادا کریں۔ ایسے میں ان کو صاحب بہادر کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ صاحب بہادر ان کے ساتھ بہت برے طریقے سے پیش آتا ہے اور بڑھیا کے کانوں میں چمکتی ہوئی بالیوں پر چھڑی رکھ کر کہتا ہے کہ انہیں بیچ ڈالو اور لگان ادا کر دو۔ بڑھیا اپنی بالیاں اتار کر صاحب بہادر کے قدموں میں رکھ دیتی ہے۔[۱۰] بوڑھے کو احساس ہے کہ صاحب بہادر حاکم ہے۔ اس وجہ سے اس نے انہیں بھرے گاؤں کے سامنے ذلیل کیا اور اس نے کچھ نہیں کہا۔ اگر وہ حاکم نہ ہوتا تو اس کی گردن اس طرح کھینچتا کہ اس کی صاحب بہادری دھری رہ جاتی۔[۱۱] ان کی ساری جمع پونجھی ساڑھے بارہ روپے تھی۔ جس میں ڈیڑھ روپیہ کریم کے دوا دارو پر لگ گیا۔ انہوں نے کریم کی شادی بھی تو کرنی ہے۔ لیکن کہانی کے اختتام پر پتہ چلتا ہے کہ اپنے جس نوجوان بیٹے کی انہوں نے عنقریب شادی کرنی تھی وہ ملک صاحب کی مزدوری کرتے بیماری کی حالت میں فوت ہو گیا۔ ان کے نوجوان بیٹے کی موت اس کہانی کو المیہ رنگ سے بھر دیتی ہے۔ اس کی ماں نے اسے منع بھی کیا تھا کہ تو بیمار ہے۔ لیکن کریم نے کہا تھا:

> "آخر ہم لوگ ذرا ذرا سی باتوں پر یوں آرام کرنے لگے تو پیٹ کیسے بھرے گا۔ اور ہنسلیاں کڑے اور شلواریں کیسی بنیں گی۔"[۱۲]

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-15

اس کہانی میں ایسے کردار بھی ملتے ہیں جو طبقاتی تفریق کی بنیاد پر غریبوں سے نفرت کرتے ہیں۔اس سلسلے میں ملک صاحب کا کردار اہم ہے۔اسے اپنے پڑوس میں رہنے والے بوڑھے کے کھانسنے پر بھی اعتراض ہے جس کی وجہ سے اس کی نیند خراب ہو جاتی ہے اور کہانی کے اختتام پر جب وہ کریم کی لاش دیکھتا ہے تو ناک پر رومال پھیلا دیتا ہے۔یہ نفرت بھرا رویہ غریبوں کے معاملے میں اس کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے جس میں سبکی کا حوالہ موجود ہے۔انسان قابل تکریم ہے۔مسجود ملائک ہے۔اشرف المخلوقات ہے۔لیکن امیروں کی نظر میں غریب ان تمام انسانی حقوق سے محروم رہتے ہیں۔ان کی زندگیاں، ان کی عزت اور ان کے مسائل جس طرح حاکم وقت کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے اسی طرح حاکم وقت کا سہارا بننے والے ملک صاحب کی نظر میں بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

قاسمی صاحب کے افسانوں میں ایسی فضا بھی دیکھنے کو ملتی ہے جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ ہندوستانی تہذیب کے حوالے ملتے ہیں۔مثلاً افسانہ چڑیل میں جب گاؤں میں چڑیل کے آنے کی خبر پھیلتی ہے تو ھو حق کے ورد اور رام نام کا جاپ لوگوں کی زبانوں پر شروع ہو جاتا ہے۔[۱۳]

اور ایسے حوالے بھی جب مشترکہ تہذیب کو اچانک برطانوی نوآبادیاتی قوت اور دیگر عالمی طاقتوں کی نظر لگ جاتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان بین المذاہبی عداوت کی بھٹی میں گر پڑتا ہے۔اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صدیوں کے ہم وطن اور ہمسائے ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔تقسیم ہند اور فسادات کے حوالے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔فسادات کے غم انگیز افسانے اس دور کی کہانیوں کا حصہ بنے۔اس سلسلے میں قاسمی صاحب کی تخلیق کردہ ایک اہم کہانی "تسکین" بھی ہے۔جس میں فسادات اور ہجرتوں کا دکھ اور المیہ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔سکھ اور مسلمان، ہندو اور مسلمان اگر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن چکے تھے تو اس کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ مذہب کا عنصر حائل تھا لیکن ہجرت کرنے والے مسلمان بھائیوں کے ساتھ پاکستان میں بھی کوئی انسانی سلوک روا نہیں رکھا گیا۔بعد کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ انہیں حب الوطنی کا سرٹیفیکیٹ اپنے خون کی صورت میں دینا پڑا اور اس کے آثار شروع ہی سے موجود تھے، جس کا عکس دیگر افسانہ نگاروں کی طرح قاسمی صاحب کے افسانوں میں بھی دکھائی دیتا ہے۔پاکستان کی تخلیق کا زمانہ نوآبادیاتی نظام کا بالکل ہی آخری زمانہ ہے۔تقسیم ہند انگریزوں کے مخصوص منصوبے کا حصہ تھا۔اس خطے پر سیاسی دباؤ بڑھانے کے لیے تقسیم کو فیصلہ کن مرحلے میں لے جانا ایک ایسا اقدام تھا جس کے نتیجے میں ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں کو آگ اور خون کے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-15
ماخذ تحقیقی مجلہ

سمندر سے گزرنا پڑا۔ نئی مملکت کی تشکیل کی عوامی سطح پر بے معنویت شروع ہی میں نظر آتی ہے۔ افسانہ "تسکین "اس سلسلے میں ایک اہم مثال ہے۔ جس میں کئی ایک کردار جن کو مہاجرین کے حالات اور مسائل جمع کرنے کے لیے کہا گیا ہے وہ لایعنی گفتگو میں محو دکھائی دیتے ہیں۔ایسی صورت میں درد دل رکھنے والا انسان جب مخلصانہ بنیاد پر مہاجرین سے پوچھ کچھ کر کے مواد جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس نتیجے تک پہنچتا ہے کہ وہاں پر پھنسے ہوئے بیٹوں، بیٹیوں، ماؤں، بچوں اور بچیوں کو بچانے کے لیے فوجی امداد بھیج دینی چاہیے تو اس کہانی کا ایک کردار جنہوں نے مختلف لوگوں کو ڈیٹا جمع کرنے کی ذمہ داری سونپ دی تھی، راوی سے کہتا ہے:

> ''یوں نہ کیا جاتا تو یہ ہر روز آپ کو تنگ کرتے رہتے۔ یہ سب کچھ بے چاروں کی تسلی ہی کے لیے ہو رہا ہے۔ ورنہ آپ جانتے ہیں ان حالات میں کون جاسکتا ہے وہاں۔۔۔ خیر اب آپ بقیہ لوگوں کے عزیزوں کے بارے میں پوچھیے گا۔ تسلی ہوتی رہے گی بے چاروں کی''[۱۴]

اس کہانی کے کردار راؤ صاحب اور چودھری صاحب جن کو اصل حقیقت کا پتہ ہے، وہ اپنی رپورٹ میں کہتے ہیں۔ یہاں کوئی عورت حاملہ نہیں۔ یہاں کوئی بچہ بیمار نہیں۔[۱۵] ان کرداروں کی مہاجرین کے حوالے سے یہ رپورٹیں ثابت کرتی ہیں کہ انہیں یہ پتہ تھا کہ یہ ایک لاحاصل سرگرمی ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں اور پھر اس حقیقت کے لاشعوری اثرات ان کی گفتگو پر بھی دکھائی دے رہے ہیں کہ زمینی مسائل کی موجودگی میں فلسفے کی موشگافیوں میں پناہ لیتے دکھائی دیتے ہیں۔انسانوں کے اصل مسائل سے ان کی بے توجہی اور بے حسی بظاہر تو کھٹکتی ہے لیکن ان کو شاید احساس ہے کہ ایمانداری سے ڈیٹا اکٹھا کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ افسانہ ہجرت کے ان تپتے دنوں میں جب انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھنے کی ضرورت تھی، اس کے بالکل متضاد تصویر پیش کرتا ہے۔ جس پر سوچ بچار کے بعد روز اول سے مملکت خداداد کا یہ کھوکھلا پن سامنے آتا ہے کہ یہ ملک کلمہ کی بنیاد پر بنایا گیا تھا اور زمین کے اس ٹکڑے میں اسلامی نظام قائم کرنے کا کوئی ارادہ تھا۔ ارادہ ہوتا تو اس کے اثرات تاریخ میں نظر آتے اور یہ افسانے ان ارادوں کو بھی تاریخ میں محفوظ کر لیتے۔ افسانہ تسکین کو پڑھنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ اس دور کے مسلمانوں کی مسلمانی اور انسان دوستی انفرادی اور اجتماعی سطح پر کتنی کھوکھلی تھی۔ ان لٹے پٹے آنے والے مہاجروں میں افسانہ "جب بادل امڈے "کا مہاجر بھی تو ہے جو ہندوستان میں اپنی زمین، مکان، ایک جوان بیٹی اور دو معصوم بچے چھوڑ آیا ہے۔[۱۶] اور جب دہقان اس سے کہتا ہے کہ سودا مہنگا پڑا تو وہ جواب میں کہتا ہے:

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-15

"نہیں نہیں ان سب کے بدلے میں مجھے ایک وطن ملا اور یہ زمین ملی۔ یہ گاؤں اور یہ پہاڑیاں اور یہ چپ چاپ شام اور تم جیسے ساتھی۔ان کی محبتیں، ان کی ہمدردیاں، ان کے پیار، ان کے تپاک۔۔میں لٹا نہیں۔۔میں تو ایسا آباد ہوا ہوں کہ اب کبھی اجڑنے کا خوف نہیں۔"(۱۷)

لیکن یہاں آکر اسے یہ پتہ بعد میں چلا کہ حالات تو بالکل الٹ ہیں۔ انگریزوں نے رخصت ہونے کے بعد جاگیر دار اور چودھری یہاں کے حاکم بنا دیے ہیں۔ ہر نام سنگھ کی زمین اس مہاجر کو الاٹ ہوئی ہے اور جاگیر دار کا کہنا ہے کہ وہ اپنے باپ کی زمین جو اس نے ترنگ میں آکر ہر نام سنگھ کے حوالے کی تھی، وہ اسے مفت خوروں میں نہیں بانٹ سکتا۔ (۱۸) اس مقام پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمان سکھوں کو بھی مفت جائیداد دے سکتے تھے لیکن مملکت خداداد میں ایک جاگیر دار وہی زمین جو اب ہر نام سنگھ کے نام ہے، ایک غریب مہاجر کے حوالے نہیں کر سکتا۔ اس کہانی میں نظر آتا ہے کہ لوگ ہر نام سنگھ کی زمین کا اس قدر خیال رکھتے ہیں کہ وہ اپنے جانور اس کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ یہ مہاجرین کی فصل ہے ایک تنکا بھی ان پر حرام ہے۔ لیکن انگریز نو آبادیاتی نظام کے سیاسی چال کے نتیجے میں تقسیم اور اس کے نتیجے میں بننے والی مملکت خداداد کے گاؤں کا جاگیر دار جو گاؤں کا اصل آقا ہے، وہ مہاجر کو اس کا حق دینے کے لیے کسی بھی صورت تیار نہیں ہوتا۔ غریب اور سادہ دل لوگ مہاجرین کے لیے محبت اور بھائی چارے اور انسان دوستی کے جذبات رکھتے ہیں جبکہ جاگیر دار کی صورت میں استحصالی قوتیں ان کا استحصال کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اس کہانی کے بین السطور میں بھی انسان دوستی کا غالب حوالہ انگریز نو آبادیاتی دور کے تناظر میں موجود ہے۔

الغرض انگریز نو آبادیاتی نظام کے زیرِ اثر ہندوستان میں غریب عوام کی زندگی متنوع قسم کے مسائل سے دوچار تھی۔ انگریزوں نے ہندوستان کو لگان اور ٹیکس کے بھاری سلسلے کے نیچے رکھا جس کے نتیجے میں یہاں کے غریب عوام کی زندگی غیر معمولی معاشی مشکلات کا شکار تھی۔ غلام ہونے کی وجہ سے ہندوستانیوں کی انسانی سطح پر تحقیر کا سلسلہ سرکاری سطح پر جاری تھا۔ ہندوستانی عوام کو جنگ اور اس کے نتیجے میں کساد بازاری کا شکار بنا دیا گیا۔ اپنی تجوریاں بھرنے کے لیے سرمایہ دارانہ نظام نے نو آبادیاتی نظام کی آشیر باد سے ہندوستانیوں کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا۔ تقسیم ہند، فسادات اور ہجرت نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ قاسمی کے افسانے ہندوستان میں انگریز نو آبادیاتی نظام کے آخری دور کے نوحوں کو بہترین انداز میں محفوظ کرتے ہیں۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-15

حوالہ جات

۱۔کارل مارکس، فریڈریک انگلس، نو آبادیاتی نظام، دارالاشاعت ترقی، ماسکو، روس، ۱۹۳۲۔ص۔۵۴

2. https://www.aljazeera.com/opinions/2018/12/19/how-britain-stole-45-trillion-from-india

3. https://economictimes.indiatimes.com/news/india/independence-day how-the-british-pulled-off-a-45-trillion-heist-in india/articleshow/102746097.cms?from=mdr

۴۔احمد ندیم قاسمی، میں انسان ہوں، مشمولہ درو دیوار، مجموعہ احمد ندیم قاسمی، جلد دوم، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۸۔ص،۱۱

۵۔احمد ندیم قاسمی، موت، مشمولہ، آس پاس، مجموعہ احمد ندیم قاسمی، جلد اول: ص،۱۵۵

۶۔احمد ندیم قاسمی، ارتقا، ایضاً۔ص،۱۷۵

۷۔احمد ندیم قاسمی، بابا نور، مشمولہ بازارِ حیات، ایضاً۔ص،۲۹۵

۸۔ایضاً

۹۔ایضاً

۱۰۔احمد ندیم قاسمی، توبہ میری، مشمولہ بگولے، جلد اول، ص،۳۴۲

۱۱۔ایضاً۔ص،۳۴۲

۱۲۔ایضاً۔ص،۳۴۳

۱۳۔احمد ندیم قاسمی، چڑیل، مشمولہ آس پاس، ایضاً۔ص،۱۷۹

۱۴۔احمد ندیم قاسمی، نشیب و فراز، مشمولہ، آنچل، جلد دوم: ص،۲۸

۱۵۔ایضاً

۱۶۔ایضاً۔ص،۳۰

۱۷۔ایضاً۔ص،۳۰

۱۸۔ایضاً۔ص،۳۲